مابعد جدیدیت اور لبرل نظریہ

Post Modernism and Liberal Ideology

[i] ثقلین احمد خاں (ثقلین سرفراز) [ii] ڈاکٹر صائمہ ارم

Abstract:

Liberalism began with the movement of empiricism. In liberal ideology, the concept of freedom is to empower the individual as much as possible. Liberalism is based on its five basic concepts which are rationality, individualism, freedom, justice, and diversity respectively. The main goal of liberalism is to bring rationality to the center and then to become a claimant of a universal ideology on this basis. This concept seems far from its ground truth. For this reason, the social role of liberalism has been very contradictory. Capitalism could not grasp this contradiction, especially the concept of rationality and this is the contradiction and flaw of liberalism and limits it. This is where his claim of universality also falls flat. Based on these contradictions, postmodernism challenges liberal ideology and speaks of postmodern values.

Keywords: *Liberalism, Capitalism, Empiricism, Postmodernism, Liberty, Justice, Variety, Rationality*

لبرل ازم کا آغاز تجربہ پسندی کی تحریک سے ہوا۔ لبرل نظریہ میں، آزادی کا تصور فرد کو زیادہ سے زیادہ بااختیار بنانا ہے۔ لبرل ازم پانچ بنیادی تصورات عقلیت، انفرادیت، آزادی، انصاف اور تنوع پر مبنی ہے۔ لبرل ازم کا اصل ہدف عقلیت کو مرکز میں لانا اور پھر اس بنیاد پر ایک آفاقی نظریے کا دعویدار بننا ہے۔ یہ تصور زمینی حقائق سے بہت پرے لگتا ہے، اسی وجہ سے لبرل ازم کا سماجی کردار بہت متضاد رہا ہے۔ سرمایہ داری اس تضاد کو نہیں پکڑ سکی، خاص طور پر عقلیت کے تصور کو اور یہی لبرل ازم کا تضاد اور خامی ہے اور اسے محدود کر دیتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کا آفاقیت کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان تضادات کی بنیاد پر مابعد جدیدیت لبرل نظریے کو چیلنج کرتی ہے اور مابعد جدید اقدار کی بات کرتی ہے۔

کلیدی الفاظ: لبرم ازم ، سرمایہ داری ، تجربہ پسندی ، ما بعد جدیدیت ، عقلیت ، انفرادیت ، آزادی ، انصاف ، تنوع ۔

لبرل ازم کا لفظ دراصل لبرٹی سے برآمد ہوا ہے۔ اور لبرٹی کا معنی ہے آزاد ہونے کے، آزادی ہی اس کی اصل مقصود ہے۔ ([1]) سوال پیدا ہوتا ہے کہ لبرل ازم میں آزادی سے کیا مراد ہے؟ کیا اجتماعی سماج کی آزادی ہونی چاہیے؟ لبرل ازم میں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسا سماج ہو یا تخلیق کیا جائے جس میں فرد کو زیادہ سے زیادہ بہ اختیار بنایا جائے۔ سماج میں بنیادی اور زیادہ سے زیادہ فیصلے انفرادی حیثیت سے فرد خود کرے نہ کہ ریاست یا کوئی دوسرا۔ لبرلز، انسان کی انفرادی آزادی و حقوق کی بات کرتے ہیں۔ سماج میں

[i] اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور (Corresponding Author)

[ii] صدر نشین، شعبہ اردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور۔

کئی فیصلے فرد خود کرتا ہے، مثلا شادی کے معاملات ہوں، ثقافت اختیار کرنے کی بات ہو، اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کا انتخاب ہو، اپنی معاشی زندگی کو کیسے چلانا ہے، حکومت کون کرے گا اس کا انتخاب کیا ہے، یہ سب فیصلے ایک فرد کو خود کرنا ہوتے ہیں اور اسی پر لبرل ازم کا مؤقف واضح ہے کہ فرد کو ہر طرح سے آزاد کیا جائے۔ یہ فرد کو بہ اختیار بنانا چاہتی ہے۔ سماج میں وہ فرد کو ایک مقام دینے کی بات کرتی ہے، وہ سماج کے زیادہ تر سوالوں کے جواب فرد کو دینے کی بات کرتی ہے، تاکہ اس میں سماج و ریاست کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے۔ وہ ریاست کے پاس کم اختیارات دیکھنا چاہتی ہے جبکہ چیزوں پر زیادہ سے زیادہ دائرہ کار سماج کے افراد کے پاس رہنے کی بات کرتی ہے۔ لبرل ازم کا اصل مدعا یہ ہے کہ انفرادی آزادی کو وسیع تر کیا جائے۔ یہی آزادی کی بات ان کا مقصد بھی ہے اور منزل بھی ہے۔ بقول ٹیری ایگلٹن ،مارکس بھی واضح طور پر آزادی میں پر رکھتا تھا۔ (۲) لبرل ازم میں عموما ان بنیادی اصولوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر حکومت اکثریت کی رائے سے قائم ہو، عوام کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے نمائندے خود منتخب کریں، قانون کی نظر میں سب برابر ہوں، ہر فرد کو حق رائے دہی کا اختیار ہو اور جمہوریت ہو، انسانی حقوق اور انفرادی آزادی ہو، لیکن ہم آگے چل کر لبرل ازم کی فلسفیانہ اساس پر مزید تفصیل سے بات کریں گے۔

ایک ضروری وضاحت پیش کرنے کے بعد آگے بڑھوں گا، ہر لبرل فرد سیکولر ہوتا ہے تاہم یہ لازم نہیں کہ ہر سیکولر شخص لبرل بھی ہو۔ مثلاً ایک مارکسسٹ شخص بھی سیکولر ہو سکتا ہے، ایک روشن خیال فرد بھی سیکولر ذہن کا مالک ہو سکتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ لبرل بھی ہو۔ وہ سیاسی طور پر خود کو لبرل نہیں کہتا، بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں لبرل ازم کے خلاف ہوں۔ لبرل افراد صنفی مساوات پر ایقان رکھتے ہیں اور نسل پرستی کے خلاف ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرح سے بین الاقوامیت پر یقین رکھتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ وہ ایسی اقدار پر یقین رکھتے ہیں جو انسان دوست ہوں، وہ ایسے قوانین کے قائل ہوتے ہیں، جو آفاقی ہوں۔ سب انسان برابر ہیں پر لبرل ازم کا یقین پختہ ہے۔ وہ تمام انسانوں کے اظہار رائے کی آزادی کی قائل ہے۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں انسان کے اپنے اور اس کے سماج کے متعلقہ تمام فیصلوں کا اختیار وہ فرد کو دینے کی قائل ہے۔ آپ کیا کھاتے ہیں، کیا پیتے ہیں، مذہب کو مانتے ہیں یا نہیں، سیاست سے

آپ کا تعلق ہے یا نہیں، آپ کیا پڑھتے ہیں کیا پہنتے ہیں، کیا آپ کو علم سے شغف ہے یا نہیں، لبرل ازم ان سب چیزوں کو فرد کی منشا پر چھوڑ دینے کی قائل ہے۔ ایک بار پھر واضح رہے یہ سماج و ریاست کی کم سے کم مداخلت کی حامی ہے۔ فرد کو سماج میں ہر طرح کی آزادی یعنی فرد کو تنظیم سازی اور اپنی معاشی پالیسی ترتیب دینے کا حق دیتی ہے۔ یعنی لبرل ازم فرد کو انفرادی سطح پر خود مجاز کرنے کی بات کرتا ہے۔

لبرل ازم فرد کی آزادی کو قومی مفاد پر مقدم جانتی ہے۔ یعنی وہ قومی مفاد اسی کو گردانتی ہے کہ فرد کی آزادی کا خیال رکھا جائے۔ لبرل ازم میں مذہبی آزادی ہو یا جس طرح کی بھی آزادی ہو کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یعنی مذہب بھی ایک اختیاری معاملہ ہے جس کا دل چاہے اسے اختیار کرے اور جس کا دل چاہے اسے چھوڑ دے۔ لبرل ازم جبر کے خلاف ہے وہ انسان کو ہر جا آزاد دیکھنا چاہتی ہے اور اس کی آزادی پر کسی قسم کا تسلط نہیں چاہتی۔ وہ ریاستی دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتی وہ ریاستی حوالہ سے چیزوں کو پبلک کرنے کی بات کرتی ہے تاکہ جو ہو وہ سامنے ہو۔ بعض دفعہ ہماری عدالت یا ریاست بند کمروں میں فیصلے سنا دیتی ہے اور مجرم کو پتا بھی نہیں ہوتا کہ اُسے کس بات کی سزا سنائی گئی ہے۔ لہٰذا جو بھی شہادتیں و دلائل ہوں وہ عوام کے سامنے ہوں۔ لبرل لوگوں کا بنیادی انسانی ضروریات پر بھی مؤقف واضح ہے۔ ہم یہاں لبرل مفکر جان سٹوئرٹ مل کے کلاسیکی مضمون آزادی (۱۸۵۹ء) سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو اسی مناسبت سے تعلق رکھتا ہے:

> ''ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ اپنے معاملات میں جو چاہے کرے مگر اسے یہ آزادی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے کام کرتے ہوئے اس بہانے کے تحت اپنی مرضی کرے، کہ دوسروں کے معاملات اس کے اپنے معاملات ہیں۔'' (۳)

معاشی نظام و پالیسیوں کی بابت لبرل ازم کا مؤقف واضح ہے۔ لبرل لوگ ہی وہ پہلے تھے جنہوں نے آزاد منڈی قائم کرنے کی بات کی تھی۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ سرمایہ دارانہ فری مارکیٹ اکانومی ہونی چاہیے۔ آزاد تجارت کی بات کی۔ برطانیہ وہ پہلا ملک تھا جس نے کہا تھا کہ انسانوں پر ہر قسم کی پابندیاں ہٹا دو اور اُنہیں آزاد تجارت کرنے دو۔ آزاد تجارت ہو گی تو معیشت تیز تر ہو گی اور آگے کی جانب بڑھے گی۔ یہی

وجہ تھی کہ وہ بادشاہوں کی اجارہ داری کے خلاف تھے۔ لبرلز نے ہمیشہ تجارت پر پابندیوں کی مخالفت کی اور آزاد تجارت کی بات کی اور سرمایہ دارانہ نظام کے حق میں بات کی۔ اس کے ساتھ لبرل ازم سائنس کی ترقی اور سائنس کے فروغ کے حق میں تھے۔ لبرل ازم میں تعقل کو بنیاد مانا جاتا ہے۔ یعنی منطق کو اس میں خاصا اضافہ تصور کیا جاتا ہے۔

لبرل ازم کا آغاز روشن خیالی کے دور میں ہی ہوا۔ لطف کی بات دونوں میں "عقل" کو معیار بنایا گیا۔ اور اس کے آغاز کا عرصہ کوئی بہت دور کا نہیں ہے۔ یعنی دو تین سو سال قبل کا زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں لوگ جو تجارت سے وابستہ تھے وہ چاہتے تھے کہ بادشاہت کا انہدام ہو، اور انہیں حق المقدور اختیار ملا جائے۔ بادشاہت کی تجارت پر جو اجارہ داری قائم تھی وہ ختم ہو، لبرلز نے ایک طرح سے اپنی لڑائی کا آغاز ریاست کے خلاف لڑنے سے کیا۔ بعد ازاں جدیدیت کی صورت میں وہ خود اجارہ دار بن بیٹھے۔ بہر حال لبرلز کی لڑائی کا ھدف ریاست و بادشاہت کی اجارہ داری ختم کرنا تھا۔ لبرل کیتھولک چرچ کی اجارہ داری کے بھی سخت خلاف تھے، چونکہ چرچ اُس زمانے میں ایک بہت بڑی فیوڈل طاقت تھی۔ یورپ کی ایک تہائی زمین اُس کی ملکیت تھی۔ لبرلز کا کہنا تھا کہ چرچ کی مداخلت ریاست و سیاست میں قطعاً نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح کی بات جان لاک جس کا شمار لبرل ازم کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے کرتے ہیں:

> ''میں کہتا ہوں کہ خدا نے یہ ذمہ داری مجسٹریٹ کو نہیں دی کیونکہ خدا نے کبھی کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر اس قسم کا اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی کو اپنا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ اس قسم کا کوئی اختیار عوام کی رضامندی سے بھی مجسٹریٹ کو نہیں دیا جاسکتا۔'' (۴)

بات جان لاک کی آئی ہے تو ان کے مطابق انسان کو کچھ حقوق فطری طور پر حاصل ہیں ان میں زندہ رہنے آزادی اور جائی داد رکھنے کے حقوق شامل ہیں۔ زندہ رہنے کے حق کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مجھے آ کر قتل کر دے تو یہ میرے فطری حق کی خلاف ورزی ہے۔ چونکہ آزادی بھی میری ضرورت ہے اور جائی داد رکھنا بھی میرا فطری حق ہے کہ جس چیز پر میں محنت کرتا ہوں وہ میری ہونی چاہیے۔ جس نے کسی چیز پر محنت کی ہو اگر کوئی اُس سے چھین لے تو اس کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو گی۔ جان لاک کا یہی کہنا تھا کہ ریاست

کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جان و مال، اور آزادی کا تحفظ کرے۔ باقی ریاست کے کرداروں کو وہ اضافی سمجھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر ریاست افراد کے بنیادی حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی ہے تو لوگوں کو ریاست کے خلاف بغاوت کر دینی چاہیے۔ اسی مناسبت سے جان لاک لکھتے ہیں:

> ''قانون جہاں تک ممکن ہو اسی بات کو یقینی بناتے ہیں کہ رعایا کی املاک یا صحت کو کسی کی دھوکہ دہی یا تشدد سے نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ وہ مالک کی اپنی غفلت یا بری دیکھ بھال سے ان کو نہیں بچاتے۔ کسی شخص کو امیر یا صحت مند ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔'' (۵)

یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ جان لاک اپنے زمانے کا ایک انقلابی بھی برابر کا تھا۔ بلکہ یوں کہیں تو بے جا نہ ہو گا اس وقت کے تقریباً تمام لبرلز انقلابی تھے۔ ۱۷۷۶ کے امریکی انقلاب میں تھامس پین اور تھامس جیفرے سن کا کردار بہت اہم تھا، واضح رہے یہ اس دور کے مشہور لبرل تھے۔ یہ اپنے زمانے کے انقلابی تھے۔

انقلاب فرانس کے بعد انیسویں صدی میں لبرل ازم بہت پھیلا، مغربی اور امریکی ممالک میں اس کا بہت پھیلاؤ ہوا۔ بیسویں صدی میں لبرل ازم کو مفید نظروں سے دیکھا گیا۔ بالخصوص برطانیہ و فرانس میں، چونکہ لبرل سوچ کو اس میں کامیابی ملی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ لبرل ازم، فاشزم کے خلاف بھی محاذ آرا رہا چونکہ فاشزم میں مطلق العنان رویہ پایا جاتا تھا۔ ایک بات اور بھی یہاں واضح رہے کہ سرد جنگ لبرل ازم اور کمیونزم کے درمیان تھی۔ کمیونسٹ، لبرل آئیڈیالوجی کے شدید خلاف ہیں چونکہ یہ آئیڈیالوجی سرمایہ داریت کی حامی ہے اور کمیونزم کے نزدیک یہ طبقات کو جنم دیتی ہے اور یہی طبقاتی تقسیم معاشرے کا اصل المیہ ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ سوشلسٹ بھی لبرل ازم کے خلاف ہیں۔

گزشتہ صدی میں بڑے مشہور اور اہم لبرلز کے نام سامنے ائے، ان میں ایک لڈوگ وان مائی سز کا نام بھی آتا ہے۔ مارکسزم کے تناظر میں ان کا مطالعہ کام کی چیز ثابت ہو گا۔ بہر حال ان کے علاوہ ولیم لیگٹ، ولہیلم وان ہمبولٹ، فریڈرک باستیات، ایڈمنڈ برک، جان اسٹوئرٹ مل، ڈیوڈ ہیوم اور جان گرے لبرل ازم کے نمائندہ لکھاریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بیسویں صدی میں لبرلز کے نقطہ نظر میں تھوڑی تبدیلی واقع ہوئی، کچھ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاحی ریاست قائم ہونی چاہیے، اگر فلاحی ریاست کے قیام کو ممکن نہ

بنایا گیا تو سوشلسٹ اور کمیونسٹ سرمایہ داری نظام کو تاراج کر دیں گے، اس سوچ کو یورپ کے کئی ممالک میں عملی صورت بھی دی گئی۔

انہوں نے شہری حقوق کی بات کی کہ مرد اور عورت کو مساوی طور دیکھا جائے۔ نسلی امتیازات کو ختم کرنے کی بات کی۔ جو سماج میں امتیازات قائم ہو چکے تھے ان کا ممکنہ حد تک قلع قمع کیا جائے اور سماج کے نچلے طبقے کو اہمیت دی جائے اور انہیں بھی بنیادی حقوق دینے کی بات کی گئی، کسی نہ کسی طرح فلاحی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جائے۔ یہاں ایک دلچسپ بات کہ لبرل ازم کی معاشی پالیسیاں پوری دنیا پر چھا چکی ہیں۔ فلاحی ریاست کی جہاں بھی بات ہوئی وہاں سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ اولین شرط ٹھہرا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ لبرل ازم اور مذہب کی معاشی سوچ یعنی سرمایہ داری کے حوالہ سے ایک ہے، لبرل ازم مذہب کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایک طرح یہ دونوں ایک پوزیشن پر قائم ہیں۔ ایک بار پھر دوہرا دوں کہ معاشی حوالہ سے یہ دونوں ایک ہیں۔

سیکولر ازم ایک وسیع اصطلاح ہے۔ فی الوقت ہمارا یہ موضوع نہیں ہے۔ سرمایہ داری نظام کو قائم رکھنے کی بات لبرل اور قدامت پسند دونوں کرتے ہیں۔ دونوں سرمایہ داریت کے حامی ہیں۔ ہم اپنے پچھلے موضوع بنیاد پرستی میں اس کو سیاسی و مذہبی حوالہ سے زیر بحث لا چکے ہیں۔ لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ بنیاد پرست بھی سرمایہ داری کا طرف دار ہوتا ہے۔ لبرل ازم اب شاید ایک طرح سے قبول عام کے درجے پر پہنچ چکا ہے اور شاید لوگوں کے لیے نسبتاً آسان بھی ہے۔ ایک بات اور بھی یہاں واضح رہے لبرل ازم اور بنیاد پرستی میں لڑائی معاشی نہیں بلکہ ثقافتی ہے۔ بنیاد پرستانہ تصورات میں ان کی اساس معاشی حوالے سے ایک ہے لیکن ثقافتی روش کو وہ قبول نہیں کرتے۔ لبرل ازم میں اس حوالہ سے بھی انسان کو آزاد کرتی ہے، جبکہ بنیاد پرستی اپنے نظریات پر اس حوالے سے پختہ ہوتی ہے۔

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ لبرل آئیڈیالوجی مسیحیت کا تسلسل تھی، یعنی سرمایہ داری نظام کی اتھارٹی قائم رہے۔ لبرل ازم کو مغربی سماج میں انسانی شعور کا عروج سمجھا جاتا ہے۔ فوکو یاما کا نتیجہ بھی اس حوالہ سے ہمارے سامنے ہے انہوں نے کہا تھا کہ لبرل آئیڈیالوجی اور جمہوریت فتح یاب ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی میں لبرل ازم کو بہت تقویت ملی۔ سرمایہ داری نظام کا

حاصل لبرل آئیڈیالوجی کو کہا جاتا ہے، جدیدیت کے تحت سماجی تشکیلات کو بھی اس کا کارنامہ بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ پسماندہ سماج کے لوگوں کے مسائل کو یہ دوسرے نظریوں سے جوڑ کر مبرا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لبرل ازم چونکہ سرمایہ داری نظام کی حامی ہے اور سرمایہ داری نظام طبقوں کو وجود میں لاتا ہے، اور طبقاتی تقسیم سے سماج میں کئی طرح کے مسائل جنم لیتے ہیں جب کہ لبرل ازم والے ان مسائل کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

لبرل ازم کے کچھ نقائص بھی ہیں جو اپنی غلطیوں اور خامیاں کے الزام دوسروں پر دھر دیتی ہے، مثال کے طور ہمارے یہاں ریاست و فوج مذہب کے نام پر اپنی سیاست کو چمکاتی ہے، مذہب سرمایہ داری نظام کا حامی ہے اور ادھر لبرل آئیڈیالوجی بھی سرمایہ داری نظام کا اہم کارنامہ ہے، تو پھر کس بنیاد پر وہ ہمارے یہاں کے مدرسہ و مولویانہ کلچر کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔ یہاں پر ہم عمران شاھد بھنڈر کا لبرل آئیڈیالوجی کے حوالہ سے ایک تجزیہ پیش کرتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ وہی نظام یا آئیڈیالوجی سماج کی دیگر قباحتوں کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے، جس کا کردار اغلب ہو اور جس کے اصولوں کے تحت سیاست اور سماج کو چلایا جا رہا ہو۔ لبرل ازم اس لیے بھی ذمہ دار ہے کہ اس کی فکری و نظری اساس روشن خیالی کے آفاقیت کے تصور پر استوار ہے، اس لیے لبرل آئیڈیالوجی کے ارتقا کے تصور کو اگر آفاقیت کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر اسی آئیڈیالوجی کے زوال و انحطاط کو آفاقیت کا بھی ذمہ دار ٹھہرانا ہوگا۔'' (۶)

جیسا کہ پہلے کہا کہ لبرل ازم کو سرمایہ داری نظام کا کارنامہ بتایا جاتا ہے، اور سماجی ارتقا کو بھی اسی سے جوڑا جاتا ہے تو پھر سماجی ارتقا کا زوال بھی اسی کے بطن سے پھوٹتا ہے۔ اس چیز سے ایک متضاد رویہ سامنے آتا ہے، جو مزید سماجی آویزش کو جنم دیتا ہے اور اس بات کا نتیجہ ایک بھیانک صورت میں سامنے آتا ہے۔

اس سارے عمل لبرل آئیڈیالوجی کو آپ ماورا نہیں رکھ سکتے، اور مسائل کی جڑ فقط آپ مذہبی انتہا پسندوں کو قرار نہیں دے سکتے۔ لبرل ازم کے اصل کردار کی جانکاری کو دیکھنا پرکھنا ہو تو اس کو اس کی خود رو حرکت میں دیکھنا ہوگا۔ کسی بھی تصور بھی اس کے اندر ہی اس کی نفی کا رجحان بھی موجود ہوتا ہے، تاہم لبرل

آئیڈیالوجی کے اندر ہی اس کی نفی کا تصور بھی موجود ہے اور یہ سب جدلیاتی طریقہ کار کو بروئے کار لا کر ہی واضح ہو سکتا ہے۔ اس کی سماج کے حوالہ سے کیا نوعیت رہی ہے۔ اس طریقہ کار سے ہی سرمایہ داری نظام میں اس کے ارتقائی عمل کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی اس کی اصل قدر کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہیے جب ہیومن ازم یعنی انسان دوستی کلیت پسندی کی دعویدار بنتی ہے تو ڈی کنسٹرکشن اسی نکتے کے انہدام کی بات کرتی ہے۔ عمران شاھد بھنڈر اس حوالہ سے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

> ''ڈی کنسٹرکشن کی حدود یہ ہیں کہ اس کی ساری بحث نظری سطح سے شروع ہوتی ہے اور وہیں ختم بھی ہو جاتی ہے۔ ڈی کنسٹرکشن کو عملی جامہ کیسے پہنانا ہے، اس کے بارے میں کوئی ایک بھی نکتہ پیش نہیں کیا گیا۔ اس کا قابل تحسین پہلو فقط یہ ہے کہ اس نے انسان کی مرکزیت پر قائم تمام لبرل فلسفوں کے حوالے سے تشکیک کو جنم دیا ہے۔ ان کے اندر رہتے ہوئے ان کو غیر مستحکم کیا ہے۔'' (۲)

کوئی بھی نظریہ ایک دم سے وجود میں نہیں آ جاتا اس کا ایک پورا سماجی پس منظر ہوتا ہے۔ اور ایسا بھی نہیں کہ کوئی تصور ہمیشہ سے موجود تھا اور رہے گا۔ لبرل ازم کا آغاز ایک سیاسی آئیڈیالوجی کے طور پر ملک سپین میں اٹھارہویں صدی کے شروع میں ہوا۔ انیسویں صدی کے وسط یہ بطور ایک صنعتی پیداواری قوت سے ہم آہنگ ہو کر ایک نظریے کے طور پر پورے یورپ میں عام ہو چکا تھا۔ ہاں یہ بھی واضح رہے۔ برطانیہ میں لبرل حکومت ۱۸۶۸ میں پہلی دفعہ قائم ہوئی۔ لبرل تصورات کا آغاز تو بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن اس کی سیاسی طور پر عملی صورت بہت بعد میں سامنے آئی۔ لبرل تصورات آج سے تین سو سال قبل تجربیت پسند فلسفہ میں موجود تھے۔ اس کے معاشی و سماجی، ساخت و حالات اس نوع کے نہیں تھے کہ ان لبرل خیالات سے ہم آہنگ ہو پاتے جو صنعتی سماج کے آنے سے پہلے سامنے آ چکے تھے۔ ان خیالات کو حقیقی بنیاد صنعتی سماج بالخصوص صنعتی انقلاب نے دی۔ یہ تو بالکل واضح ہے کہ صنعتی انقلاب ہی برطانیہ و فرانس کے انقلابات کی بنیاد بنا۔

جیسا کہ ہم نے قوم پرستی کے سیکشن میں اس بات کو واضح کیا کہ جاگیرداری نظام کے خاتمے کے بعد صنعتی ارتقا ہوا اور پھر ایک نئے سماج کا ارتقا ہوا جس میں ایک نئی سوچ ارتقا پذیر ہوئی جس نے اپنے آپ کو

اپنے معاصر تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ جاگیرداری نظام ایک رجعت پسندانہ تصور تھا جو نئی سوچ سے متصادم نظر آیا۔ جاگیردارانہ کلچر، سماج کے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے اور سماج کو ارتقا کی جانب لے جانے سے قاصر ہو چکا تھا۔ جاگیرداری سماج کی جگہ صنعتی ترقی نے لے لی اور یہ ایک نئے سماج کا نمائندہ بنتا دکھائی دیا۔ صنعتی ارتقا نے لبرل آئیڈیالوجی کے تصور معیشت کو قائم رکھا اور دراصل یہ آئیڈیالوجی لبرل کی دَین تھی۔ لبرل ازم کو اس کی منڈی کی حرکت میں دیکھنا ہوگا۔ منڈی کا تصور ایک طاقت سے جڑا ہوا ہے۔ اسی سے ہی تہذیبی، روایتی، اور ثقافتی تصور تشکیل پاتا ہے۔ اور منڈی کی تشکیل سے ہی اس میں کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے۔ وہ خیالات ایک لمبے عرصے کے لیے اپنا وجود قائم رکھتے ہیں جو منڈی کی معیشت سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ بہر حال لبرل ازم نئے خیالات و تصورات میں ایک انقلابی طرز کی شے تھی اور اسی سے ان کو مرکزیت ملی۔

لبرل ازم میں تصور سرمایہ داریت پایا جاتا ہے اور الہیاتی مذاہب بھی اسی تصور کے حامی ہیں۔ یہ تصور ایک طرح سے مذہب (مسیحیت) کو ختم کرنے کی بات نہیں کرتا اور نہ کیا، بلکہ ایک طرح سے لبرل ازم مسیحی تصورات کی توسیع تھا۔ یہ بھی مسیحی سماج کا کمال تھا کہ اس میں اس قدر روشن تصور نے جنم لیا اور پھر اس کو ایک طرح سے فروغ بھی ملا۔ ایک شناخت کے طور مسیحیت لبرل ازم میں موجود رہی ہے۔ ژاک دریدا نے لبرل آئیڈیالوجی کو پرانی مسیحیت کی ایک صورت قرار دیا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ لبرل تصورات اپنی ایک خود رو ارتقائی صورت میں سامنے ائے۔ روشن خیالی پروجیکٹ کے پیروکار لبرل نظری سطح پر مسیحیت کی تشکیل اپنے تصورات کی بنیاد پر کی اور رائج سماجی تصورات میں ایک طرح سے ایک نئ تبدیلی پیدا کی ہے۔

لبرل ازم کی مختلف شکلیں دیکھنے میں آئی ہیں لیکن اس کی تین مختلف اشکال ہمارے سامنے موجود ہیں، پہلی صورت اس کی کلاسیکی تھی دوسری اس کی جدید شکل تھی جو بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں وجود پذیر ہوئی اور تیسری شکل نیو لبرل تھی، جس کا آغاز ستر کی دہائی میں ہوا۔ لبرل ازم اپنے پانچ بنیادی تصورات پر قائم ہے، جن میں بالترتیب عقلیت، انفرادیت، آزادی، انصاف، اور تنوع ہیں۔ لبرل آئیڈیالوجی میں معاشی حوالے سے اس کی اوپری ساخت کے اعتبار سے انفرادیت، آزادی، انصاف، اور تنوع جیسی اقدار

کو عقلیت کے بل بوتے پر پانے کا دعوی کرتی ہے۔ لبرل عقلیت میں یہ اقدار ایک آفاقی حیثیت رکھتی ہیں۔ لبرل ازم کا بنیادی ہدف عقلیت کو مرکزیت میں لانا ہے اور پھر اسی بنیاد پر ایک آفاقی نظریے کا داعی بننا ہے۔ یہ تصور اپنے زمینی حقائق سے ایک طرح سے کٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لبرل ازم کی ذیل میں معاشی، سماجی اور سیاسی حقائق بہت دل گرفتہ ثابت ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا سماجی کردار بڑا متضاد قسم کا رہا ہے۔ اس تضاد پر سرمایہ داریت گرفت نہیں کر پائی بالخصوص اس میں تصور عقلیت، اور یہی لبرل ازم کا تضاد و نقص اور اس کو حد لگاتی ہے۔

آزادی، انفرادیت، انصاف، عقل اور تنوع جیسے آئیڈیاز کی آفاقی حیثیت کو جاننے کے لیے لازم ہے کہ ان تصورات کی مذہبی یعنی الہیاتی، عقلی اور معاشی بنیاد کے درمیان ایک فرق کو قائم کیا جائے تا کہ ان تصورات کی اصل کو سمجھا جا سکے۔ مثال کے طور پر انفرادیت، اور آزادی جیسے تصورات سترھویں صدی میں مختلف نوعیت کے معنی رکھتے تھے، جبکہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں انفرادیت، اور آزادی کے تصورات عقلیت کے حوالے سے جرمن روایت سے اثر پذیر ہو کر اپنے مفاہیم و معنی کو مزید تبدیل کرتے نظر آتے ہیں۔ آزادی اور انفرادیت کے تصورات ایک طرح سے بہت قدیم سے ہیں، لیکن سماج میں ان کی حیثیت اجتماعی ہوتی تھی۔ فرد کے اعتبار سے یعنی وہ چاہے جس طرح کی مذہبی وابستگی رکھتا ہوتا تھا اس کو مذہبی حوالے سے انفرادیت اور آزادی کا مفہوم و مطلب سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یعنی ''ایک'' کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ انسان اُس وقت مرکز میں موجود نہیں تھا۔ لبرل آئیڈیالوجی میں انسان مرکز میں آ گیا جبکہ الہیات میں انسان ثانوی حیثیت پر موجود تھا۔ لبرل ازم میں عقلیت کو ایک معیار کے طور پر قبول کیا گیا اور انسان ہی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ عقلی تصورات کی تشکیل کرے وہ سماجی اقدار کو وضع بھی خود کرے اور اس کی تشکیل بھی خود کرے۔ الہیات انسانی عقل پر قید لگاتی ہے یعنی الہیات میں ایک طرح سے انسان کی نفی کی گئی۔ روشن خیالی نے دو سطح پر کام کیا ایک نظری اور دوسرا عملی، لیکن اس نے عقل کو معیار بنایا، لبرل ازم نے روشن خیالی پروجیکٹ کے تصور عقلیت پر ایک طرح سے عمل کیا۔ الہیات میں غیر عقلی باتوں پر یقین کیا جاتا ہے اور وہ کہیں ماورائی آئیڈیالوجی کے تحت جنم لیتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو ثانوی درجے پہ رکھا گیا۔ لبرل ازم ہر دو طرح سے آزادی کی دعوی دار ہے، یعنی داخلی و خارجی سطح پر، اور یہی ایک

طرح کی انفرادیت بھی ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ لبرل ازم کی اساس سرمایہ داری نظام کے تضادات کی بناپر سماج میں اعلی اقدار کی تکمیل کے ذیل میں خارجی حالات دینے سے قاصر دکھائی دیتا ہے۔آزادی، مساوات، انصاف، اور انفرادیت جیسے مثالی نصب العین پیش تو کیے جاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ انسانی اقدار کا حصول نہیں کر پائے۔ بہرحال لبرل آئیڈیالوجی نے ایک طرح سے پرانے رجعت پسندانہ تصورات کی نفی کرتے ہوئے انسان دوست تصورات کی توسیع کو ممکن بنایا ہے اور عقلیت کی بنیاد پر یہ سب ممکن ہوا۔ مگر اس میں تضادات اس کے تصور سرمایہ داری سے پھوٹ چکا ہے، جس کا حل اب عقل کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ موجود سماج کا بحران کسی مذہبی آئیڈیالوجی کا پیدا کردہ نہیں بلکہ لبرل آئیڈیالوجی کا پیدا کردہ ہے۔ انہی بنیاد پر مابعد جدیدیت بھی اسے رد کرتی ہے۔ مذہب کو اس حوالہ سے موردالزام ٹھہرانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام اور اس کی بالائی ساخت یعنی لبرل آئیڈیالوجی کے نقائص کو مخفی رکھ سکیں اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر سکیں کہ سرمایہ داری ایک حتمی نظام ہے۔ یہیں پر اس کی آفاقیت والا دعوی بھی زمین بوس ہو جاتا ہے۔ کسی بھی نظریے میں موجود تضادات کو اس کی خود رو حرکت ہی سامنے لاتی ہے۔ چونکہ کائنات میں موجود ہر شے تغیر پذیر ہے۔

ہمارے موجود عہد کی تمام سفاکیت یعنی دہشت گردی، ظلم و تشدد، بربریت مذہب کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسائل سرمایہ داری نظام کے داخل سے یہ تضادات کی صورت پھوٹ رہے ہیں اور عقل انہیں حل کرنے سے قاصر ہو چکی ہے۔ یہ شگاف مزید بڑھتا جارہا ہے۔ لبرل آئیڈیالوجی کا بحران سماج کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، اس کا دائرہ کار وسیع ہو چکا ہے یعنی ادب و آرٹ، فلسفہ و تنقید اور علم البشریات اور طبیعاتی اور حیاتیاتی سائنس وں کا بحران بھی ثابت ہو چکا ہے۔ انسان و سماج کے تمام علوم کے حوالہ سے بھی اس کا بحران سامنے آ چکا ہے۔ مابعد جدیدیت انہی نقائص و بحران کی وجہ سے لبرل ازم پر یلغار کرتی ہے۔ نظری حوالہ سے لبرل آئیڈیالوجی پر مابعد جدیدیت کا حملہ درست دکھائی دیتا ہے۔ مابعد جدیدیت جہاں اس کی آئیڈیولاجیکل شناختوں کو بے نقاب کرتی ہے وہیں چھوٹی شناختوں کا بحران بھی عیاں ہو جاتا ہے۔ لبرل رجحانات نے سماج کے داخل میں گہرے رخنے ڈال دیے ہیں جن کو پُر کرنا ممکن نہیں ہے۔

پاکستان میں لبرل ازم محض سرمایہ داری نظام تک محدود ہے، اور کچھ صنعتی حوالہ سے اس کی عملی صورتیں موجود ہیں، صنعتی حوالہ سے اس کو ایک حوالے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ باقی لبرل ازم کا یہاں مفہوم بالکل غلط رائج ہے بالخصوص عوامی سطح پر، لبرل فاشزم کی اصطلاح کا یہاں بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کے لوگ اس حوالہ سے انتہائی الجھن کا شکار ہیں۔ جو لوگ اس کی بات کرتے ہیں خود اُن پر ابھی تک اس کا درست مفہوم واضح نہیں ہے۔ یہاں اس کی تشریح بالکل بُرے معنوں میں کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ان کے بنیادی مفاہیم کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ چونکہ فاشزم قطعیت کو جنم دیتی ہے اور لبرل ازم کی بنیاد بالکل الگ چیزوں پر قائم ہے۔ لبرل آئیڈیالوجی نے جن دعوؤں کے ساتھ سامنے آئی اور پھر اس کے داخل سے ہی تضادات نے جنم لینا شروع کر دیا، یعنی وہ خود اس کی تحلیل نہ کر سکی بلکہ مزید اس کو بڑھاوا دیتی ہے۔ انہی تضادات کو جب عقل حل نہ کر سکی تو وہ بذریعہ طاقت ان کو پُر کرنے کی جانب بڑھتی ہے اور یہیں سے تضادات تحلیل ہونے کی بجائے مزید شدت اختیار کر جاتے ہیں۔ یہاں پر لبرل آئیڈیالوجی میں ایک طرح سے فاشسٹ رویہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔

لبرل ازم کا آغاز تجربیت کی تحریک سے ہوا۔ یہاں یہ واضح کرتا چلوں، ہمارے یہاں پاکستان میں لبرل ازم کی فلسفیانہ اساس ابھی تک قائم نہیں ہے بلکہ اس کی معاشی اساس قائم ہے۔ لبرل آئیڈیالوجی بنیادی طور پر مذہب کے خلاف ایک رد عمل تھا۔ چونکہ مذہبیوں کے دماغ میں یہ تھا کہ علم کا ماخذ ہمارے پاس ہے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا خدا سے بلاواسطہ رابطہ ہے اور ہم وہیں سے علم حاصل کرتے ہیں۔ مذہبی کتب کو اس حوالہ سے مثال بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے۔ لبرل آئیڈیالوجی والوں نے ان کی اس طرح ڈی کنسٹرکشن کی کہ علم کا ذریعہ ہماری حسیات ہوتی ہیں۔ خارجی دنیا ہماری حسیات کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے۔ اس کے بعد ہم اس کو جاننا شروع کرتے ہیں۔ ماورائے حسیات ہمارے پاس کوئی شے نہیں کہ ہم علم حاصل کر سکیں۔ یعنی خارجی دنیا کا علم ہم اپنی حسیات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ حسیات سے ماورا کچھ بھی نہیں۔ فلسفیانہ سطح پر تجربیت نے مہابیانیے کی طاقت کو کم کیا۔

اب ہم یہاں بات لبرل ازم کے بحران اور مابعد جدیدیت پر کریں گے۔ مابعد جدید فکر کا اثر مغربی و امریکی اداروں اور وہاں کے علمی و ادبی رجحانات کا لوگوں پر اثرات سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس بات میں

بھی کوئی شک نہیں کہ مابعد جدیدیت نے روشن خیالی پروجیکٹ کی نظری سطح پر یلغار کی۔ اور عقل کے بنیادی نقائص کو عیاں کیا۔ مابعد جدیدیت کے بنیادی مباحث یعنی متن میں معنی کا التوا، مصنف کی لامرکزیت کا تصور، اور لامرکزیت کے اسی تصور نے سماج کے کلیت پسندانہ رجحان و کردار کے بحران کو نمایاں کیا۔ مابعد جدیدیت کا حملہ کلیت پر بھی بجا طور پر درست ہے کہ مرکزیت، موجودگی، اور ماخذ کا تصور نے سماج کے کئی پہلوؤں کو شدید نقصان پہنچایا۔ تعقل کے عدم استحکام کی وجہ سے علمیات کے سوال کو تشکیک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ متن میں مرکزیت کے انہدام کا مطلب مصنف کا معانی پر دعوی کا خاتمہ تصور ہوتا ہے۔ ریاست جب کلیت کی دعوے دار بنتی ہے اور مابعد جدیدیت اس پر لامرکزیت کا اطلاق کرتی ہے تو اس کے اس کلیت پسندانہ تصور کو دھچکہ لگتا ہے۔ یعنی ہر مہابیانیے کے کردار کا خاتمہ تصور ہو گا۔ ان مباحث کو فرانسیسی مفکر لیوٹارڈ نے ۱۹۷۹میں ترقی یافتہ ممالک کی ثقافتی و علمیاتی سطحوں کا تعین کرتے وقت جان لیا تھا۔ مہابیانیوں کو جب تشکیک کی نظر سے دیکھا گیا تو اس سے چھوٹے بیانیوں کو تقویت ملی۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ڈی کنسٹرکشن تھیوری سے چھوٹے بیانیوں کو بھی زک پہنچی۔ چونکہ جب بڑے بیانیوں کو تشکیک کی نظر سے دیکھا گیا تو اس سے فوقیتی ترتیب کو چیلنج کرنا بھی در آیا۔ اگر غور کریں تو چھوٹے بیانیوں میں بھی ایک طرح سے مرکزیت در آئی۔ لہٰذا ڈی کنسٹرکشن کو اسے بھی چیلنج کرنا پڑا۔ چونکہ اس کے بغیر معانی کا نظام التوا میں جاتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں یہ واضح رہے اُردو میں مابعد جدیدیت کی مائیکرو سیاست اس عالمی ایجنڈے کا حصہ ہے جس کے تحت ہمارے سماج کے خلاف سازش رچائی جارہی ہے۔ ریاستی سطح پر جب کسی کو نقصان پہنچانا ہو تو لوگوں کے اذہان کے اندر مائیکرو سوچ کو راسخ کیا جاتا ہے۔ (۸)

مابعد جدیدیت کے نظری مباحث کو دیکھ کر کہیں متعین ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ ادب کے حوالے سے مابعد ساختیات میں بھی حتمیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت کو ہم بجا طور پر ایک کثیر الجہتی ثقافتی تحریک بھی کہہ سکتے ہیں۔ باقی ہر ثقافت کا اپنا ایک واضح پس منظر ہوتا ہے جس کی وضاحت متنوع طرز پر کی جاسکتی ہے۔

لیوٹارڈ کی کتاب سے ہم حوالے بھی رقم کر چکے ہیں، انہوں نے جب اپنی کتاب ''دی پوسٹ ماڈرن کنڈیشن'' لکھی تو اس کے ابتدائی صفحات پر ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ ترقی یافتہ معاشروں یعنی امریکی و

مغربی سماج میں علم کی صورت حال پر ایک رپورٹ ہے۔ بعدازاں انھوں اپنی مختصر کتاب لکھی جس میں مابعد صنعتی سماج میں بڑے بیانیوں کے کردار، علم کی اصل صورت اور اس کے حصول کے مقاصد واضح کیے۔ لیوٹارڈ نے مہابیانیے کی جانب تشکیک کا دعوی اپنی کتاب میں ۱۹۷۹ میں کیا۔ (۹) بعدازاں ۱۹۸۹ میں فوکو یاما اپنی کتاب ''تاریخ کا خاتمہ'' کا اعلان کر دیا اور لبرل جمہوریت کا نعرہ بلند کیا۔ دراصل اس سے بھی وہ لبرل ازم کا نمائندہ بنتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈی کنسٹرکشن کی تھیوری جس کو دریدا نے ۱۹۶۷ء میں وضع کیا تھا۔[۱۰] لیکن اس کے باوجود یہاں یہ بھی واضح رہے کہ دریدا نے اپنے ایک مضمون "مارکس اینڈ سنز" میں واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ وہ مابعد جدید مفکر نہیں ہے۔ اس سے مابعد جدید فکر کو ایک طرح شدید دھچکہ لگا۔ نیو ورلڈ آرڈر اور نائن الیون جیسے واقعات پر امریکہ کے رد عمل نے مابعد جدید فکر کو پھر سے مشکل میں ڈال دیا۔

ہم نے اپنے اس مقالے میں کوشش کی ہے کہ اردو میں مابعد جدیدیت کو اس کے پس منظر میں پیش کیا جائے۔ ساتھ ہم نے یہ بتانے کی جرأت بھی کی ہے کہ مہابیانیے کی اپنے سماج میں کیا صورت حال ہے۔ مغرب میں مابعد جدیدیت ایک واضح پس منظر کے ساتھ موجود تھی اور وہاں اس کے نظری مباحث پر کئی نعرے بھی بلند ہوئے۔ کئی آئیڈیالوجیز کے خاتمے کے اعلانات بھی دکھائی دیے ہیں۔ اردو میں مابعد جدیدیت بارے کئی تصورات بالکل غلط طرح سے رواج پا چکے ہیں، بلکہ اس بارے یہاں اپنے من مانے تصورات گھڑ لیے گئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اردو کے یہاں شارحین پر ابھی تک یہ واضح نہیں ہو پایا کہ مغرب میں مرکزیت، ماخذ، مصنف اور معنی کے خاتمے جیسے تصورات سے کیا مراد تھی اور مغربی سماج میں ان کا تعلق کس نوعیت کا تھا یعنی ان کا وہاں کیا پس منظر تھا۔ بہر حال آخری تجزیے میں ہم بلاتامّل یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مغربی ممالک میں لبرل ازم کے انہدام کے نتیجے میں مابعد جدید قدروں کو فروغ ملا۔

حوالہ جات

۱ ڈاکٹر تیمور رحمٰن، چند فکری و سیاسی اصطلاحات، تحریر و ترتیب: پروفیسر حسن رشید (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، س۔ن)، ص۱۱۔

۲ ٹیری ایگلٹن، نظریاتی مباحث اور عہدِ حاضر، مترجم: یاسر جواد(لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۲۲ء)، ص۴۷۔

۳ ڈیٹمار ڈوئرنگ (مدون)،لبرل ازم ایک مطالعہ(اسلام آباد: فریڈرک نومین فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء)، ص۸۳۔

۴ ایضاً، ص۴۲۔

۵ ایضاً، ص۴۳۔

۶ عمران شاہد بھنڈر،لبرل ازم، پوسٹ ماڈرن ازم، مارکسزم(لاہور:کتاب محل، س۔ن)، ص۲۹۔

۷ ایضاً، ص۲۹۹۔

۸ عمران شاہد بھنڈر،فلسفہ اور سامراجی دہشت(لاہور:کتاب محل، س۔ن)، ص۲۰۳۔

۹ ژاں فرانسوالیوتار،علم پر رپورٹ (مابعد جدید صورتحال)، مترجم:اصغر بشیر(کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۲ء)، ص۳۲۔

۱۰ عمران شاہد بھنڈر،فلسفہ اور سامراجی دہشت(لاہور:کتاب محل، س۔ن)، ص۱۳۷۔